حقوق کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتے تو دونوں ہی خدا کے ہاں جواب دہ ہیں جس کی تصدیق حضورؐ کے اس قول مبارک سے ہوتی ہے کہ تم سب نگہبان ہو اور سب اپنی اپنی رعایا کے بارے میں سوال کئے جاؤ گے۔ نجانے پھر کونسی مساوات ہے جس کے لئے آج کی عورت جد وجہد کر رہی ہے کن حقوق کی وہ خواہاں ہے کیا مسلمان عورت کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ عریاں لباس میں تجارتی اداروں کی پبلسٹی کرے؟ کیا یہ بات اس کے وقار کو مجروح نہیں کرتی کہ وہ اپنی پہچان ماڈل گرل کے طور پر کروائے؟ عورت کی اس تذلیل پر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ آخر عورت ہی تشہیر کا ذریعہ کیوں ہے؟ اشیائے صرف میں سے کون سی چیز ایسی ہے جس پر عورت کی تصویر نہ ہو؟ کیا مسلمان عورت کا یہی مقام و منصب ہے؟ حوا کی بیٹی جسے حضور ختم الرسلؐ نے آبگینہ کہا اس کا تقدس یوں مجروح ہو رہا ہے حیرت ہوتی ہے کہ آخر مسلمان عورت مشرق کی بیٹی کس رو میں بہہ نکلی ہے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ یہ دین سے دوری اسلامی قوانین کی خلاف ورزی اور غیر مسلم اقوام کی اندھا دھند تقلید کا نتیجہ ہے کہ آج مسلم معاشرے کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے۔ گویا قرآن میں پردے کا حکم ہے ہی نہیں۔ حدیث اس بارے میں ساکت ہے اور مسلمانوں کو اس میدان میں مکمل آزادی بخش دی گئی ہے کہ جو جی چاہے کرو۔ تاریخ کے اس نازک ترین دور میں مخصوص عناصر نے ذرائع ابلاغ اور نشریات کو بروئے کار لا کر مسلمانوں میں فحاشی بے حیائی و بے حجابی کے زہریلے عنصر چھوڑے ہیں عورت کو چراغ خانہ سے شمع محفل بنا کر چھوڑا ہے تاکہ مسلم معاشرہ جذبۂ جہاد حریت، ایثار و مروت رواداری و مساوات، عدل و انصاف عزت و عصمت اور امن و سکون سے عاری ہو جائے کاش بنات اسوۂ ازواج و بنات رسول اور اسوۂ صحابیات کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں اور اسی مشعل کی روشنی میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہوں خدا و رسول کے احکام کو دل و جان سے قبول کریں اور اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں کہ عہد موجود میں انسان کے ہر غم اور دکھ کا علاج اور ہر مشکل کا حل آپؐ لایا ہوا دین متین ہے اور آپؐ کی چھوڑی ہوئی سنت ہے۔

؎ اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
تیرے لئے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پی۔ ایچ۔ ڈی)
سابق استاذِ قانون جامعہ عثمانیہ (دکن)

قسط اول

# اِمام اَبُو حَنیفہؒ کی تدوینِ قانونِ اِسلامی

مختلف ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جگہ ابتداً قبائلی رسم و رواج کا دور دورہ تھا، اور کسی معاملے میں رواجی نظیر رہبری کے لیے موجود نہ ہوتی تو کسی معتمد علیہ اور فرزانہ پنچ سے رجوع کیا جاتا اور اس کا فیصلہ قانون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتا تھا. کسی بستی کے بس جانے اور شہری مملکت کے قائم ہو جانے پر قبائلی وحدتوں کا رواج جلد ہی سربر آوردہ قبیلے کے رواج میں ضم ہو جاتا ہے. اور اکثر ملکوں میں رسم و رواج کسی بڑے بیرِ دکی افسری کے زمانے میں تحریری صورت اختیار کر لیتے ہیں، اپنے کو حقیر سمجھنے کا جذبہ اور مرعوبیت بعد والوں کے لیے اس تحریری قانون میں جمود پیدا کر دیتے ہیں، اور جب تک کوئی انقلاب انگیز بیرونی اثرات یا خود اس تحریری قانون میں ترقی کر سکنے کے لیے اندرونی لچک نہ رہی ہو تو جلدی ہی وہ قانون از کار رفتہ ہو کر طبعی موت مر جاتا ہے۔

ایک دوسرا رجحان اکثر ممالک میں یہ رہا ہے کہ ابتداءً جملہ شعبہ ہائے حیات چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات یا جرائم و جنایات، مذہبیت کی ہمہ گیر گرفت میں جکڑے رہتے ہیں، اور قانون دانی و عدل گستری پجاری کا اجارہ ہوتا ہے، مگر رفتہ رفتہ عبادت اپنے تقدس کے باعث غیر تبدّل پذیر ہو جاتی ہے، اور سیاست اپنے نت نئے مسائل کے باعث روز افزوں صواب دید پر منحصر ہوتی چلی جاتی ہے. اسی لیے مذہب اور سیاست میں دوری ہو جاتی ہے، سب جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کا آغاز شہر مکہ سے ہوا. متعدد کارروائی راستوں کا اہم جنکشن ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں یک نسلی باقی نہ رہی تھی. اسماعیلی خاندان عراق یا فلسطین سے آئے تھے خزاعہ یمن کے تھے، مکّے والوں سے رشتہ داری اور کاروباری تعلقات شہر مدینہ اور شہر طائف سے بھی کافی تھے. قُصَیّ کا تعلق شمالی عرب کے قبیلۂ قُضاعہ سے تھا، قُصَیّ کی کوشش اور قابلیت سے قریشی قبائل نے شہر مکہ میں سربر آوردہ حیثیت حاصل کی. اور قُصَیّ ہی کی سرداری میں ایک زیادہ منضبط شہری مملکت قائم ہوئی جس میں مختلف مذہبی سماجی

اور انتظامی عہدے موروثی طور پر مختلف خاندانوں میں پائے جاتے تھے[1]۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے۔ حجاز میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم رہنے کے باعث۔ اسلام سے پہلے کسی تحریری مجموعے کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن قانونِ معاہدہ اور قانونِ جرائم وغیرہ کے بہت سے رواجی احکام روایات نے محفوظ رکھے تھے، حتیٰ کہ اجنبیوں کے حقوق کے تحفظ تحفظ اور تصادم قوانین کے نفاذ کے لیے حلف الفضول کے نام سے ایک رضاکارانہ نظام بطور تہدید و تدارک وجود میں آگیا تھا شہر مکہ میں اسی قُصَیّ کی اولاد میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبر اسلام کی حیثیت حاصل فرمائی۔ مکہ "وادیٔ غیر ذی زرع" ہے، اس لیے یہاں کے لوگ عام طور پر تجارت پیشہ ہی تھے، تجارت اور کارروائی کاروبار کے سلسلے میں پیغمبر اسلام نے بھی عرب میں یمن اور عمان کا کافی طویل سفر کیا تھا، اور عرب کے باہر کم از کم فلسطین جانے کا دو بار پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ آٹھ نو سالہ نوعمری میں ضد کر کے اپنے سرپرست چچا کے ساتھ اور ایک مرتبہ بطور خود پچیس سال کی عمر میں لکھنے پڑھنے سے ناواقف اُمّی ہونے اور یونانی، لاطینی اور سریانی زبانوں کے نہ جاننے کے باعث سوائے قانون و رواجِ تجارت کو تیز نظری سے دیکھنے کے اس کی کم توقع کی جا سکتی ہے کہ فلسطین میں اس زمانے میں کسی اور چیز سے آپؐ نے دلچسپی لی ہو۔

بہر حال چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شہر کے ایک جونیر گھرانے کے جونیر رکن تھے، اپنے متعلق خدا کے پیغام رساں ہونے کا اعلان فرمایا، اور قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔

آپ جہاں دیدہ تھے، کئی بار شام کئی بار یمن (حباشہ) اور کم از کم ایک بار علاقہ قبیلہ عبدالقیس یعنی بحرین و عمان کا سفر فرما چکے تھے، جیسا کہ مسند ابن حنبل (۴/۲۰۶) میں مذکور ہے، بحری سفر فرما کر ایک مرتبہ حبشہ جانا بھی مکتوب نبویؐ بنام نجاشی کے متعارفانہ انداز وغیرہ سے مستنبط کر رہے، اگرچہ کوئی صریح تائید میں حوالہ نہیں ملتا۔ اس تجربے کا اثر روحی پر تو نہیں لیکن، جناب رسالت کی صوابدید میں قانون سازی پر پڑ سکتا ہے،

خدا کا جو پیغام آپؐ کو وحی کے ذریعے سے وصول ہوتا تھا۔ اسے آپ فوراً ایک ترتیب سے لکھوا دیتے اس کے مجموعے نے کتاب اللہ اور قرآن کا نام حاصل کیا۔ چونکہ پیغمبر اسلام نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس لیے قوم کے ہر شعبۂ حیات کے لیے اس میں رہنمائی کی گئی، اور صرف ایک دنیاوی امور کے قانون ہی پر قرآن منحصر نہیں ہو گیا، قرآنی پیغام کی تشریح و توضیح اور اصلاح قوم کے سلسلے میں ملک کے بہت سے اچھے اور معقول قدیم رواجات

---

[1] تفصیل میں نے ایک الگ مضمون "شہری مملکت مکہ" میں دی ہے جو اسلامک کلچر میں ۱۹۳۸ء میں اور معارف اعظم گڑھ میں ۱۹۴۲ء میں چھپا ہے دیکھئے شمارہ نمبر ۱، ۲

کو آپ نے اپنے متبعین میں جوں برقرار رہنے دیا یہ بھی قانونِ اسلام کا بہت بڑا ماخذ ہے خاص کر اس لیے بھی کہ خود قرآن نے متعدد جگہ اس کا صراحت سے حکم دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر قول و فعل اور ہر امر و نہی واجب التعمیل اور لائق تقلید ہے، لیکن یہ سنت نبویؐ اس باقاعدہ اور مکمل طور سے تحریراً مرتب نہ ہو سکی جو قرآن کے متعلق ملحوظ رکھا گیا، یہ ظاہر ہے کہ سنتِ نبوی میں بھی صرف قانونی احکام نہیں ہیں بلکہ دیگر قسم کے امور بھی ملیں گے۔ قانونی احکام کچھ تو قرآنی اجمال کی تفصیل و تکمیل پر حاوی تھے تو کچھ نئے اور زاید احکام تھے جو قرآن کے سکرد کے وقت دیئے گئے، تھے، اور کچھ ملکی اچھے رسم و رواج کے مختلف اخذ کو برقرار رکھنے پر مشتمل تھے، پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے روزمرہ نظم و نسق کا تذکرہ، حکام اور افسروں کو ہدایتیں، خصوصی خطبات و اعلانات، غرض بیسیوں قسم کی چیزیں سنت میں ملتی ہیں، دنیا کا کوئی قانون مباح امور کی فہرست مکمل نہیں کر سکتا، اچھا اور معقول نظام قانون اپنے چند خصوصیات کو واجب اور ضروری قرار دے کر اور ممنوعات کی فہرست کو مکمل کر کے باقی تمام چیزوں کو روا[1] قرار دے دیتا ہے، اور جن چیزوں میں بیک وقت متعدد حقوق قائم ہوتے ہیں، اُن کا تناسب بیان کر دیتا ہے۔

"اُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ" وغیرہ قرآنی آیتوں سے قانونِ اسلام میں بھی یہی اصول ملحوظ رہا ہونا ہویدا ہوتا ہے "اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ" "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" وغیرہ سے قانون میں لچک اور حالات کا ساتھ دینے کی قابلیت واجبات و ممنوعات کے متعلق بھی پیدا کر دی گئیں۔

لیکن بڑا اہم سوال آئندہ کی ترقی کا ہے کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے نامعلوم اور اِن گنت نئے مسائل سے دوچار ہونے پر کیا کیا جائے؟ اس بارے میں امام ترمذیؒ وغیرہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث متعدد ماخذوں سے روایت کی ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو سرکاری افسر بنا کر روانہ کیا تو رخصتی باریابی میں حسب ذیل گفتگو فرمائی:۔

"اگر کوئی مقدمہ پیش ہو تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟

جیسا کہ کتاب اللہ میں حکم ہے،

اگر کتاب اللہ میں صراحت نہ ہو تو؟

---

[1] "روا یا مباح" کے معنے یہ نہیں کہ اُسے ضرور کیا جائے بلکہ وہ ہر شخص کی صوابدید اس کے ذوقِ سلیم، اُس کی ضرورت اور اس کے خصوصی حالات پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور نہ صرف دو آدمیوں سے بلکہ ایک ہی آدمی کے دو مختلف اوقات کے طرزِ عمل میں اُن کے متعلق اختلاف ہو سکتا ہے۔

پھر رسول اللہؐ کی سنت کے مطابق ؟

اگر سنتِ رسولؐ بھی نہ ملے تو ؟

تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے اپنے رسولؐ کے فرستادے کو اس چیز کی توفیق دی جسے اس کا رسولؐ پسند کرتا ہے۔[۱]

یہ مکالمہ نہ تو کوئی کاغذی نظریہ بنا رہا اور نہ ہی کوئی انفرادی واقعہ تھا۔ اہم معاملات میں استصواب، نگرانی، اور تفہیم کی ناگزیر ضرورتوں کے ساتھ وسیع صوابدید کا حق خود جناب رسالت مآب کی طرف سے افرادِ قانون کے لیے تسلیم کرلیا جانا، اور ایک دوسرے موقع پر **انتم اعلم باموردنیاءکم** (تم لوگ اپنے دنیاوی امور کو زیادہ بہتر جانتے ہو) ارشاد فرماکر اپنے خالص جمالیاتی حکم کو منسوخ کردینا ایک انقلابی لیکن فیصلہ کن نظیر تھی جس کے باعث اسلامی قانون کے مستقبل نے اپنے متعلق مکمل اطمینان حاصل کرلیا۔

عہد نبویؐ مسلمانوں کا دورِ قانون سازی تھا۔ اس کے بعد تعبیر و توسیع کا سلسلہ تو جاری رہا، لیکن خالص قانونی احکام کا مجموعہ تیار کرنے کی کوئی سرکاری کوشش نہ ہوئی، اگرچہ خلفاء کی سرپرستی بلکہ خود ان کی خواہش پر بعض خانگی مجموعے تیار ہوئے جس کی ایک مثال خود امام مالکؒ کی مؤطا کا خلیفہ منصور کی خواہش[۱] پر مرتب کرنا ہے۔ (دیکھئے زرقانی

---

۱؎ ابو حنیفہؒ کی فضیلت کا معترف ہونے کے باوجود منصور (حکومت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) کا ان کی جگہ امام مالک سے تدوینِ فقہ کی خواہش کرنا کچھ تو امام ابو حنیفہؒ کی پیرانہ سالی کے باعث ہوگا۔ اور اس سے زیادہ ان کی سیاسی بے باکی و آزاد خیالی کے باعث عہد بنی امیہ میں وہ علانیہ انقلاب پسندانہ، ہمدردیاں رکھتے تھے چنانچہ جب امام زید بن علی نے ایک سیاسی انقلاب کے لیے جدوجہد کی تو انہوں نے بہت بڑی رقم چندے میں دی تھی۔ بنی عباس برسرِ اقتدار آئے تو چندے صبر کیا، پھر منصور کے خلاف ۱۴۵ھ میں بغاوت ہوئی تو انہوں نے علانیہ منصور کی برائی کی تھی، شاید امام مالکؒ نے بھی ابتداءً منصور کی بیعت کے جبری اور بے اثر ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ (سیرۃ النعمان، شبلی ص ۵۹ تا ۶۱) لیکن صیمری نے (ورق ۴۸ تا ۴۹) ایک اہم واقعہ لکھا ہے کہ منصور نے ابن ابی ذئب العامری اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک تینوں کو بلا کر یہ سوال کیا تھا، کہ ان کی رائے میں وہ خلافت کا اہل ہے یا نہیں، ابن ابی ذئب اور ابو حنیفہؒ نے تو صاف صاف منصور کے کردار کی خامیاں برملا اس پر ظاہر کردیں۔ لیکن امام مالکؒ نے یہ دلچسپ انداز اختیار کیا۔

کی شرح مؤطا کا مقدمہ) لیکن اُن کو کبھی سرکاری طور سے قانون ملک کے طور پر نافذ کر کے عدالتی و انتظامی افسران مملکت کو انہیں کا پابند کر دینے کی صورت پیش نہ آئی۔ ایسے مجموعے صرف ایک درسی کتاب کی حیثیت حاصل کر سکے جن سے حسب ضرورت حکام عدالت وغیرہ بھی مدد لیتے تھے بہرحال ان خانگی کوششوں نے وہی مقصد حاصل کر لیا جو سرکاری اہتمام سے ممکن ہوتا اور کوشش کے خانگی ہونے نے آئندہ بھی خانگی علماء کی ہمتیں بلند رکھیں، جو تدوین کے سرکاری ہونے کی صورت میں اتنے درخشاں نتائج پیش نہ کر سکیں۔ میرے ایک فاضل بزرگ اس کی دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔ کہ اسلام میں عہد نبوی کے بعد نہ صرف عدلیہ کو تنفیذیہ سے آزاد رکھا گیا۔ بلکہ تشریعیہ کو بھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ تشریعیہ کو بڑی حد تک خالص غیر سرکاری بنا دیا گیا۔

ہمارا موضوع سخن آج اسلامی قانون کی ایک ابتدائی/خانگی تدوین ہے۔ جو دوسری صدی کے تقریباً آغاز سے وسط تک جاری رہی، یعنی امام ابو حنیفہؒ کی کوشش جو ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

جیسا کہ معلوم ہوا تدوینِ فقہ کا یہ عظیم الشان علمی کام کوفے میں انجام پایا۔ کوفے کو حضرت عمرؓ اسلام کی پشت پناہ، وغیرہ بہت زیادہ تعریف آمیز الفاظ سے یاد کرتے تھے، اور یہ بے وجہ نہ تھا۔

کوفے کی آبادی قدیم شہر حیرہ کے قریب بسائی گئی۔ سدِ مآرب کے ٹوٹنے کے سلسلے میں جب بہت سے

---

| | |
|---|---|
| لولم یرک اللہ اھلاً لذلک | اگر خدا تجھے اہل نہ سمجھتا تو وہ تجھے اُمت کے معاملات کا |
| ماقدر لک ملک امر الامۃ | مالک بنانا طے نہ کرتا اور نہ اُمت سے ان لوگوں (کی حکومت) |
| وازال عنھم من بعد من نبیتھم | کو دور کرتا جو ان کے نبی سے (قرابت میں تجھ سے) زیادہ دور ہیں |

اس ذو معنی فلسفیانہ جواب سے منصور کا اطمینان ہو گیا۔ اس نے امام مالک کو انعام بھی دیا اور غالباً اسی عمدہ تاثر کے باعث جب اسے بغاوتوں سے فراغت حاصل ہوئی اور ایک مجموعہ قانون ملک کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے امام مالکؒ سے رجوع کیا، یہ بھی ممکن ہے کہ تدوین کی خواہش تک ابو حنیفہؒ کی وفات ہو چکی اور ابو حنیفہ کے مدوّنہ قانون کو سیاسی وجوہ سے سرکاری قانون بنانا مناسب نہ معلوم ہوا۔ بہرحال منصور کی خواہش تھی کہ جملہ قاضیوں کو مؤطا۔ امام مالک کے مکمل ہونے پر اس کا پابند کر دے۔ قدرت نے ابو یوسفؒ کو ہارون رشید کا قاضی القضاۃ بنا دیا تو چاہے "مذہب السلطان" ہونے کے باعث ہی سہی (جیسا کہ یاقوت جلد ۶ ص ۱۲ میں اس کا عرف بتایا گیا ہے) بہرحال مشرقی دنیائے اسلام میں حنفی فقہ سرکاری قانون بن گئی۔

یمنی قبیلے شمالی عرب میں ترکِ وطن کر کے آبسے۔ تو حیرہ بھی یمنی قبائل کا مرکز بنا۔ اور خاندانِ مناذرہ نے یہاں جو عرب حکومت قائم کی وہ ایرانی سرپرستی میں ایک خود مختار مملکت تھی۔ جس کا پایۂ تخت علم وفن کے چرچوں سے صدیوں تک گونجتا رہا۔ اور وہ ایران و عرب کا علم اور اخلاق دونوں حیثیت سے سنگم بنا رہا۔ منذردں کا خاندان آغازِ اسلام تک بھی برا جتا رہا۔ لیکن پھر اس علاقے کا الحاق ایران سے ہو کر حیرہ کی حیثیت ایک صوبہ وار شہر کی ہو گئی اتنے میں فتوحاتِ اسلام کے اوّلین سیلاب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں سپہسالار خالد بن الولیدؓ نے اس کی ایرانیوں سے گلو خلاصی کرائی۔

حضرت عمرؓ نے جب مملکت اسلامیہ میں جابجا چھاؤنیاں تعمیر کرائیں تو حیرہ کے بالکل قریب ایک خالص عربی شہر بسایا، جس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ شہر کا نقشہ اور دیگر ابتدائی حالات کی تفصیل پروفیسر ماسینیون نے ایک مستقل مقالے میں دی ہے (تاریخ طبری ۱۷ھ میں بھی یہ تذکرہ پندرہ بیس صفحوں میں ہے) یہاں ہمیں صرف یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہوگا کہ اس چھاؤنی میں حضرت عمرؓ نے کوئی بارہ ہزار یمنیوں کو اور کوئی ہزار دیگر قبائل کو بسایا۔ ان میں ایک ہزار پچاس صحابی تھے۔ جن میں چوبیس بدری بھی تھے (سیرۃ النعمان شبلی ص۳۴ بحوالہ بلاذری و معجم البلدان یاقوت)

حیرہ میں پہلے بھی یمنی ہی تھے، اور اب کوفے میں تازہ ہزاروں یمنی آبسے تھے، یمن وہ مقام ہے جس کا تمدن عرب میں بڑا قدیم ہے، سبا اور بلقیس کے متمدن زمانے کے قصّے قرآن نے بھی ذکر کئے ہیں۔ اُن کے ملک میں جتنے کتبے دستیاب ہوئے ہیں عرب میں کہیں اور نہیں، اس یمن پر عرصے تک یہودیوں کی حکومت اور تورات کی کارفرمائی رہی۔ اس کے بعد حبش کے عیسائی آئے اور اٹلی کے پادری گرسے جینیتوس نے اسکندریہ کے بطریرک کے حکم سے یہاں عیسائی، قوانین نافذ کئے، جن کا مجموعہ مخطوطے کی صورت میں ویانا میں اب تک محفوظ ہے،[۱] عیسائی بستیوں کا دور ایرانی حملے کے ذریعے سے ختم ہوا، اور اس کے بعد ایرانیوں نے اسلام کے لیے جگہ خالی کی۔ اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ یمن تہذیب وثقافت کے نقطۂ نظر سے کتنے کثیر دریاؤں کا سنگم بنا اور کتنے دلچسپ روایات وہاں کے تمدن میں سرایت کر گئے۔

---

[۱] ویورژسے (DESVAGER) کی فرانسیسی کتاب "عرب" (ARABIS) ص ۱۷ حاشیہ ان یہودیوں کو اس کا پابند کیا گیا کہ اپنی لڑکیاں کسی یہودی کو بیاہ نہ دیں بلکہ صرف عیسائی کو دیں۔ ایضاً بحوالہ فرانسیسی تاریخ SAINT MARTIN مؤلفہ HIST DE BAS EMPIRE